مولانا عبد الحق خیرآبادی اور انکے

تلامذہ کے علمی معرکے

علامہ اسید الحق محمد عاصم قادری

اسید الحق محمد عاصم قادری☆

مولانا عبد الحق خیرآبادی اور ان کے تلامذہ کے علمی معرکے

اگست ۲۰۱۱ء میں مجاہد آزادی استاذ مطلق علامہ فضل حق چشتی خیرآبادی کی وفات کو ڈیڑھ سو سال ہونے جا رہے ہیں، اس سلسلے میں مختلف سطح پر علامہ کی علمی، دینی، ملکی اور قومی خدمات کے اعتراف میں ان کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیا جا رہا ہے، رسائل و جرائد کے خصوصی شماروں کی تیاری ہے، ملک کے مختلف حصوں میں علامہ کی حیات و خدمات پر کانفرنس و سیمینار منعقد کیے جا رہے ہیں، ماہنامہ جام نور بھی ایک خصوصی شمارہ جاری کرنے کا عزم رکھتا ہے- اس سلسلہ میں علمی اور تحقیقی سطح پر جو کام کیے جا رہے ہیں ان میں دو کام اپنی نوعیت اور مواد کے اعتبار سے ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں- (۱) ممتاز محقق و ناقد مولانا اسید الحق قادری بدایونی ''خیرآبادیات'' کے نام سے ایک تحقیقی کتاب ترتیب دے رہے ہیں، جو اب تکمیل کے مراحل میں ہے، اب تک علامہ فضل حق خیرآبادی اور ان کے علوم و معارف پر ہند و پاک میں جو کچھ بھی لکھا گیا ہے، مولانا کی یہ کتاب اس دستیاب شدہ معلومات میں نہ صرف یہ کہ اضافہ کرے گی، بلکہ نایاب قلمی نسخوں کی مدد سے بہت سے ایسے گوشے بھی سامنے لائے گی جو اب تک محققین اور سوانح نگاروں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں- (۲) ۱۸۵۷ء کے معرکے میں دیگر دستاویزات کے علاوہ ''دہلی اردو اخبار'' کو خاصی اہمیت حاصل ہے، جس کے ۱۷ رشمارے نیشنل آرکائیوز آف انڈیا میں محفوظ ہیں- ان شماروں اور دیگر اہم دستاویزات کے حوالے سے راقم ایک کتاب ''معرکۂ ۱۸۵۷ء دہلی اردو اخبار کی زبانی'' مرتب کر رہا ہے- اس کتاب کے حاشیے میں چند نایاب دستاویزات کے حوالے سے مذکورہ معرکے میں علما کی شمولیت کو ثابت کیا جائے گا- یہ دونوں کتابیں ان شاء اللہ جون کے آخر تک ہند و پاک دونوں جگہ سے بیک وقت شائع ہو رہی ہیں- مولانا اسید الحق قادری کا زیر نظر مضمون ان کی زیر ترتیب کتاب ''خیرآبادیات'' ہی کی ایک فصل ہے، جو کچھ حذف و اضافے کے ساتھ ہماری خواہش پر مولانا نے جام نور کے لیے عنایت کیا ہے- (خوشتر نورانی)

خانوادۂ خیرآباد برصغیر ہند و پاک کا وہ منفرد اور ممتاز خانوادہ ہے جس کے فیضان علم سے کم و بیش برصغیر کی ہر دینی و علمی درسگاہ اور دانش گاہ فیض یاب ہوئی ہے اور آج بھی اس خانوادہ کی تصانیف اور سلسلہ تلامذہ کے ذریعہ خیرآباد کا علمی ابر کرم تشنگان علوم کو سیراب کر رہا ہے، اسی خانوادے کے عظیم فرزند شمس العلما مولانا عبد الحق خیرآبادی ابن علامہ فضل حق خیرآبادی ہیں جنہوں نے اپنی تصانیف اور درسی خدمات سے اس خاندان کی عظمت کو نہ صرف یہ کہ برقرار رکھا بلکہ اوج ثریا تک پہنچا دیا، آپ کی ولادت ۱۲۴۴ھ/ ۹-۱۸۲۸ء میں ہوئی، جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل اپنے والد گرامی استاذ مطلق علامہ فضل حق خیرآبادی سے کی، لڑکپن میں ذہانت اور قابلیت کا یہ عالم تھا کہ اپنے والد کے حاشیہ قاضی مبارک پر محض ۱۴ رسال کی عمر میں برجستہ اور فی البدیہہ ایک صفحہ لکھ کر رکھ دیا، مولانا عبد الشاہد خاں شیروانی نے مولوی ظہیر احمد فاروقی خیرآبادی کی روایت نقل کی ہے کہ:

''جب علامہ (فضل حق خیرآبادی) قاضی کا حاشیہ تصنیف فرما رہے تھے تو ایک روز کسی ضرورت سے اٹھ کر کاغذات یوں ہی چھوڑ کر چلے گئے، مولانا عبد الحق جن کی عمر اس وقت ۱۴ رسال تھی، باپ کے کمرے میں داخل ہوئے، اور عبارت کے آگے ایک صفحہ اپنے قلم سے تصنیف کر گئے، جب علامہ نے آ کر دیکھا تو دریافت کیا کہ ''کیا ابن میاں کمرے میں آئے تھے'' معلوم ہوا کہ آئے تھے، وہ صفحہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے، اور اس صفحہ کو بجنسہ رہنے دیا- (۱)

جب حاشیہ قاضی اور مولانا عبد الحق کا ذکر ایک ہی مقام پر آ گیا ہے تو یہ بھی سنتے چلیں کہ جب جزیرہ انڈمان کی قید کے زمانے میں کسی نے علامہ فضل حق خیرآبادی سے پوچھا کہ ہندستان میں کیا یادگار چھوڑ کر آئے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ''دو یادگاریں چھوڑ آیا ہوں، ایک حاشیہ شرح سلم قاضی مبارک اور دوسری یادگار برخوردار عبد الحق''- (۲)

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مولانا عبد الحق کا علمی مرتبہ خود ان کے والد کی نگاہ میں کیا تھا- حاشیہ قاضی پر برجستہ ایک صفحہ لکھنے کا واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ باقاعدہ درسیات سے فارغ بھی نہیں ہوئے

☆Madrasa Qadria,Molvi Mohalla,Budaun(U.P)email:qadriusaid@yahoo.com

تھے، ۱۶؍سال کی عمر میں تمام درسیات معقول ومنقول سے فارغ ہوئے (۳) زمانہ طالب علمی میں جس ''شاہین بچہ'' کا یہ حال ہو عمر اور علم میں اضافے کے بعد اس کی پرواز کہاں تک پہنچی اس کو سمجھنے کے لیے صرف یہ واقعہ نقل کرنا کافی ہوگا کہ ایک مرتبہ مولوی اکرام اللہ شہابی گوپاموی نے مولانا عبدالحق خیرآبادی سے پوچھا کہ ''بھائی صاحب ! دنیا میں حکیم کا اطلاق کن کن پر ہے؟ مولانا نے فرمایا'' بھیا ساڑھے تین حکیم دنیا میں ہیں، ایک معلم اول ارسطو، دوسرے معلم ثانی فارابی، تیسرے والد ماجد مولانا فضل حق اور نصف بندہ۔ (۴)

مولانا عبدالحق خیرآبادی کی ساری عمر درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں گزری، سوانح نگاروں نے آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف کا ذکر کیا ہے (۱) حاشیہ قاضی مبارک (۲) حاشیہ غلام یحییٰ (۳) حاشیہ حمد اللہ (۴) حاشیہ میر زاہد امور عامہ (۵) شرح ہدایۃ الحکمۃ (۶) شرح مسلم الثبوت (۷) شرح کافیہ (۸) شرح سلاسل الکلام (۹) الجواہر الغالیہ (۱۰) رسالہ تحقیق تلازم (۱۱) شرح مرقات (۱۲) التحفۃ الوزیریہ (۱۳) زبدۃ الحکمۃ (۱۴) حاشیہ عقائد عضدیہ (۱۵) شرح حواشی الزاہد علی ملا جلال وغیرہ۔ (۵)

سیکڑوں ہزاروں لوگوں نے آپ کی درس گاہ سے علوم عقلیہ کی تحصیل کی، جن میں والیان ریاست اور مقتدر علمی خانوادوں کے افراد کے علاوہ ہندو بیرون ہند کے بے شمار تشنگان علوم شامل ہیں۔ ۲۳؍شوال ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۹ء کو رحلت فرمائی، اپنے آبائی وطن خیرآباد شریف میں مخدوم شیخ سعد کی درگاہ کے احاطے میں سپرد خاک کیے گئے۔

آپ نے اپنی تصانیف میں متعدد معاصرین اور متقدمین سے اختلاف رائے کیا، اور اپنی خداداد صلاحیتوں کے بل پر بہت سے معقولی مسائل میں اپنی اجتہادی رائے پیش کی، جس کے نتیجے میں بعض معاصرین اور کچھ متاخرین سے علمی معرکہ آرائی کی نوبت آگئی، کچھ اہل علم نے آپ کی بعض تحقیقات پر نقد وجرح کی جس کے دفاع میں آپ کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ میدان کارزار میں کود پڑے اور علمی بحث ومناظرے کا بازار گرم ہوا، زیر نظر مضمون میں ہم مولانا اور ان کے تلامذہ کے انہیں علمی معرکوں کی سرگزشت پیش کرنے جا رہے ہیں، یہ معرکے علمی حوالے سے دلچسپ بھی ہیں اور اس زاویے سے سبق آموز بھی کہ وہ کیسے لوگ تھے جو ایک طرف تو میدان تحقیق وتنقید میں ایک دوسرے کے مدمقابل اور باہم برسرپیکار تھے، اور دوسری طرف ایک دوسرے کے ایسے قدر ومنزلت شناس تھے کہ پاس ولحاظ اور ادب واحترام کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی اور مولانا عبدالحق خیرآبادی: مولانا عبدالحی فرنگی محلی (ولادت: ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۷ء- وفات: ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) اور مولانا عبدالحق خیرآبادی یہ دونوں عظیم علمی خانوادوں کے قابل فخر فرزند تھے، دونوں بڑے باپ کے بڑے بیٹے تھے، اور اپنے معاصرین میں منفرد وممتاز تھے، مولانا عبدالحق خیرآبادی عمر میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی سے ۲۰؍برس بڑے تھے، ان دونوں حضرات کے درمیان ایک دلچسپ علمی معرکہ آرائی ہوئی، جواب تاریخ کے سینے میں محفوظ ہے۔ اس معرکہ آرائی کی تفصیل کچھ یوں ہے:-

رسالہ قطبیہ پر علامہ میر زاہد ہروی کا حاشیہ ہے، اس پر علامہ غلام یحییٰ بہاری کا حاشیہ لواء الهدیٰ فی اللیل والدجیٰ کے نام سے ہے، آج سے کچھ عرصہ پہلے تک یہ کتاب درس نظامی میں داخل تھی، مولانا عبدالحق صاحب نے ۱۲۷۷ھ میں لواء الہدیٰ پر حاشیہ لکھا، جو ۱۲۷۸ھ میں مطبع نظامی کانپور سے شائع ہوا، ۱۲۸۰ھ میں جب مولانا عبدالحی فرنگی محلی اپنے والد مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی سے رسالہ میر زاہد مع لواء الہدیٰ پڑھ رہے تھے، تو آپ نے لواء الہدیٰ پر حاشیہ لکھا، جس کا نام ''هدایة الوریٰ الیٰ لواء الهدیٰ'' رکھا، اس حاشیہ میں جہاں انہوں نے لواء الہدیٰ کے دوسرے محشین پر نقد وجرح کی وہیں مولانا عبدالحق خیرآبادی کا حاشیہ بھی بحث وتنقید کی زد میں آگیا، یہاں یہ بات نہ صرف قابل ذکر ہے بلکہ باعث استعجاب بھی ہے کہ جس وقت مولانا عبدالحی فرنگی محلی مولانا عبدالحق سمیت دوسرے اعاظم مناطقہ کی آرا پر نقد ونظر فرما رہے تھے اس وقت آپ کی عمر محض ۱۶؍سال تھی......ع

آفریں باد بریں ہمت مردانہ تست

۶؍سال کے بعد یعنی ۱۲۸۶ھ میں آپ نے لواء الہدیٰ پر ایک اور مفصل حاشیہ تحریر فرمایا جس کا نام ''مصباح الدجیٰ فی لواء الهدیٰ'' رکھا، یہ ایسا عظیم الشان حاشیہ ہے کہ اگر علم منطق میں مولانا کی کوئی اور کتاب نہ بھی ہوتی تو تن تنہا مصباح الدجیٰ مولانا کو کبار مناطقہ کی صف اول میں کھڑا ہونے کا مستحق ثابت کرنے کے لیے کافی تھی، اس میں آپ نے مولانا عبدالحق خیرآبادی کے حاشیہ پر کچھ نئے

اعتراضات کیے اور گزشتہ اعتراضات کو مزید مدلل کیا، مولانا کے ان دونوں حاشیوں کے اعتراضات کا جواب مولانا عبدالحق خیرآبادی کے ایک شاگرد کے نام سے منظر عام پر آیا، مولانا عبدالحق خیرآبادی کے اس جواب پر مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے ۱۲۸۷ھ میں جواب الجواب لکھا اور اس رسالے کا نام "نور الهدیٰ لحملة لواء الهدیٰ" رکھا، اس کے علاوہ انہوں نے اپنے حاشیے مصباح الدجیٰ پر بھی تعلیقات قلم بند کیں اور اس میں انہوں نے مولانا عبدالحق خیرآبادی کے ان اعتراضات کا جواب دیا جو انہوں نے اس حاشیہ کے بعض مقامات پر کیے تھے۔ اس مباحثے کے تقریباً دس بارہ برس بعد مولانا عبدالحق خیرآبادی نے پھر ان حواشی کی طرف توجہ کی اور مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے جواب میں ایک اور رسالہ لکھا، یہ بھی کسی شاگرد کے نام سے ہی منظر عام پر آیا، اس کے جواب میں مولانا نے ۱۳۰۲ھ میں ایک رسالہ قلم بند فرمایا جس کا نام "علم الہدیٰ" رکھا، معلوم نہیں پھر اس کے جواب میں خیرآبادی علما کی طرف سے کچھ لکھا گیا یا نہیں۔

اس معرکے میں کچھ تو اصولی اور علمی مسائل زیر بحث آئے اور کہیں محض لفظی گرفتیں کی گئیں ہیں، قیل وقال کے درمیان کہیں کہیں مزاح لطیف اور طنز ملیح کی صورت بھی پیدا ہوگئی، یہاں ہم اس مباحثہ سے صرف ایک مثال پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

ہدایۃ الوریٰ میں ایک بحث کے دوران علامہ غلام یحییٰ بہاری نے ضمناً ایک بات ارشاد فرمائی کہ:

کما ان النسبة داخلة فی مفهوم القضية دون حقيقتها(٦)

جیسا کہ نسبت صرف قضیہ کے مفہوم میں داخل ہے نہ کہ قضیے کی حقیقت میں۔

اس پر مولانا عبدالحق خیرآبادی نے علامہ غلام یحییٰ سے اختلاف رائے کرتے ہوئے اس کو علامہ غلام یحییٰ کا "سفسطہ" قرار دیا، اس پر ایک طویل بحث کر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:

والحاصل ان النسبة مناط القضية ومدارها فكيف يظن انها خارجة عن حقيقتها(٧)

خلاصہ یہ کہ نسبت ہی پر قضیہ کا مناط ومدار ہے لہٰذا یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ نسبت قضیے کی حقیقت سے خارج ہو۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے مولانا عبدالحق کی اس پوری بحث کو چھ وجوہ سے رد کر دیا، اور آخر میں لکھا کہ:

فقد ظهر من هذاالبيان الواضح والتبيان اللائح ان هذاالكلام من اوله الیٰ آخره مغالطة وان نسبة السفسطة الى الشارح صدرت عن غفلة(٨)

اس واضح بیان سے ظاہر ہوگیا کہ (مولانا عبدالحق کا) یہ کلام از اول تا آخر مغالطے پر مبنی ہے اور شارح (علامہ غلام یحییٰ) کی طرف سفسطہ کی نسبت غفلت کی وجہ سے صادر ہوگئی ہے۔

مولانا عبدالحق خیرآبادی نے یہ جو فرمایا تھا کہ "نسبت ہی پر قضیہ کا مناط ومدار ہے لہٰذا یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ نسبت قضیے کی حقیقت سے خارج ہو" اس کا رد کرتے ہوئے مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے ایک جملہ یہ لکھ دیا کہ:

وهل هذا كما يقال الوضوء مناط الصلوٰة ومدارها فكيف يظن انها خارج عن حقيقتها وهذا عجيب(٩)

یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے کہ "وضو پر نماز کا دار ومدار ہے لہٰذا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وضو نماز کی حقیقت سے خارج ہو" یہ کتنی عجیب بات ہے۔ مولانا عبدالحق خیرآبادی نے اس کا معقول جواب تو دیا ہی مگر ساتھ ہی مولانا عبدالحی صاحب پر ایک چوٹ بھی کر گئے فرماتے ہیں کہ:

اما ذكر مسئلة الوضوء والصلوٰة فی هذاالمقام فهو يدل علیٰ كونه جامعاً بين المعقول والمنقول ولو اورد فی هذا المبحث مسائل الطلاق والعتاق والبيع والشراء وغيرها لكان اعدل شاهداً علیٰ فقاهته واول دليلاً علیٰ سفاهته(١٠)

اس مقام پر وضو اور نماز کے مسئلے کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ جناب معقول ومنقول کے جامع ہیں، اگر محترم اس بحث میں طلاق وعتاق، خرید وفروخت اور شفعہ وغیرہ کے بھی کچھ مسائل ذکر دیتے تو یہ موصوف کی فقاہت پر بہترین گواہ اور سفاہت کی اولین دلیل ہوتی۔

اس پر مولانا عبدالحی کہاں خاموش رہنے والے تھے، انہوں نے بھی جواب آں غزل کے انداز میں چٹکی لی، فرماتے ہیں:

هذا عجيب جداً ممن يعد من علماء المسلمين، نعم لا يستبعد مثله من السفيه الذی لا يتوضأ ولا يصلی ويتنفر عن ذكر اركان الدين۔(١١)

جس شخص کا شمار مسلمانوں کے علما میں ہوتا ہو اس سے یہ بات کتنی عجیب ہے، ہاں البتہ اس قسم کی باتیں ایسے احمق سے بعید نہیں جو نہ وضو کرتا ہو نہ نماز پڑھتا ہو، اور ارکان دین کے ذکر سے نفرت کرتا ہو۔

۱۹۹۶ء/۱۹۹۷ء میں راقم الحروف نے استاذ مکرم محترم علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب کی درس گاہ میں رسالہ میر زاہد مع حاشیہ غلام یحییٰ پڑھنے کی سعادت حاصل کی تھی، استاذ محترم کے حکم کے مطابق مولانا عبدالحی فرنگی محلی کا حاشیہ مصباح الدجیٰ زیر مطالعہ رکھتا تھا، اور کبھی کبھی مولانا عبدالحق خیرآبادی کے حاشیہ کا بھی مطالعہ کرتا تھا، مولانا عبدالحی صاحب کی سب سے بڑی خوبی ان کی سہل نگاری ہے، مشکل سے مشکل بحث آسان سے آسان تر انداز میں لکھنے کا جو ملکہ اللہ نے ان کو ودیعت کیا تھا وہ بہت کم لوگوں کو میسر آتا ہے، اس کے برخلاف مولانا عبدالحق کے قلم پر ان کا علمی رعب و دبدبہ اور محققانہ گہرائی و گیرائی اس قدر حاوی ہوتی ہے کہ ان کی بات ہم جیسے کم فہم طلبہ کی سمجھ میں ذرا مشکل سے ہی آتی ہے، اس لیے ہم جیسا کوئی کم علم طالب علم اگر ان دونوں حضرات کے مباحث کو دیکھے گا تو مولانا عبدالحق صاحب کے مقابلے میں مولانا عبدالحی صاحب کی حمایت کرتا نظر آئے گا، جو یقیناً اس کے قصور فہم کا نتیجہ ہوگا، کیوں کہ ان دونوں عبقری شخصیات کے درمیان صحیح اور غلط کا فیصلہ وہ کرے جو انہی کی طرح بلند علمی مقام رکھتا ہو۔

مولانا عبدالحق خیرآبادی اور مفتی سعداللہ مرادآبادی: مفتی سعداللہ مرادآبادی (ولادت: ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء، وفات: ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء) اپنے وقت کے جید عالم تھے، لکھنؤ میں مدتوں قضا اور افتا کے عہدوں پر فائز رہے، مؤلف تذکرۂ علمائے ہند نے مختلف علوم وفنون میں ان کی ۳۱ر تصانیف کا ذکر کیا ہے جس سے ان کے علم و فضل کا اندازہ ہوتا ہے (۱۲) مفتی صاحب علامہ فضل حق خیرآبادی کے نہ صرف معاصر بلکہ علمی اور تحقیقی میدان میں حریف تھے، علامہ فضل حق خیرآبادی اور مفتی سعداللہ مرادآبادی کے علمی معرکوں کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب "خیرآبادیات" میں نقل کی ہے، ایک مرتبہ انہیں مفتی سعداللہ کے ایک تلمیذ مولانا فدا حسین اور مولانا عبدالحق خیرآبادی کے درمیان علمی معرکہ آرائی کی نوبت آگئی، ہوا یوں کہ مفتی سعداللہ مرادآبادی نے فلسفہ کی مشہور کتاب شرح ہدایت الحکمۃ لصدر الشیرازی پر کچھ تعلیقات تحریر فرمائیں، جب مفتی صاحب کی تعلیقات منظر عام پر آئیں تو ان پر مولانا عبدالحق خیرآبادی نے ۴ر اعتراضات کیے، ان ۴ر اعتراضات کے جواب میں مفتی سعداللہ مرادآبادی کے شاگرد مولانا محمد فدا حسین نے قلم اٹھایا اور اپنے استاذ کے دفاع میں ایک رسالہ قلم بند کیا، اس میں انہوں نے پہلے مولانا عبدالحق خیرآبادی کے ان چاروں اعتراضات کا جواب دیا اور ساتھ ہی مولانا عبدالحق خیرآبادی کے والد اور دادا پر چار اعتراضات بھی کر دیے،، پہلے تین اعتراضات علامہ فضل حق خیرآبادی کی کتاب ہدیہ سعیدیہ پر تھے، اور ایک اعتراض علامہ کے والد مولانا فضل امام خیرآبادی کی کتاب "شرح میزان منطق" کی ایک عبارت پر تھا، مولانا فدا حسین کے اس رسالے کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ قادریہ بدایوں میں محفوظ ہے، معلوم نہیں کہ اس کے جواب میں مولانا عبدالحق خیرآبادی یا آپ کے تلامذہ میں سے کسی نے کچھ لکھا یا پھر یہ سلسلہ یہیں ختم ہو گیا۔

مولانا فضل حق رامپوری اور حاشیہ میر زاہد امور عامہ: مولانا عبدالحق خیرآبادی نے حاشیہ میر زاہد (برشرح مواقف امور عامہ) پر ایک تحقیقی حاشیہ تحریر فرمایا، اسی میر زاہد امور عامہ پر مولانا فضل حق رامپوری (ولادت: ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء - وفات: ۱۳۵۸ھ/۱۹۴۰ء) پرنسپل مدرسہ عالیہ رامپور نے بھی حاشیہ تحریر فرمایا، مولانا فضل حق رامپوری اپنے زمانے کے متبحر عالم اور محقق و مدرس تھے، سلسلۂ چشتیہ میں حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت بیعت رکھتے تھے (۱۳) اگرچہ مولانا فضل حق رامپوری بھی میخانۂ خیرآباد ہی کے بادہ نوش تھے، وہ مفتی لطف اللہ علی گڑھی کے شاگرد رشید ہونے کے علاوہ مولانا ہدایت علی بریلوی (تلمیذ علامہ فضل حق خیرآبادی) اور مولانا عبدالعزیز سہارنپوری (تلمیذ مولانا عبدالحق خیرآبادی) سے بھی نسبت تلمذ رکھتے تھے، اور جس زمانے میں مولانا عبدالحق خیرآبادی مدرسہ عالیہ رامپور میں پرنسپل تھے اسی زمانے میں مولانا فضل حق صاحب نے مدرسے میں مدرس ہونے کے باوجود ان سے کچھ اکتساب فیض کیا تھا، لیکن اس کے باوجود بھی انہوں نے اپنے حاشیہ بر میر زاہد امور عامہ میں دلائل کے ساتھ مولانا عبدالحق خیرآبادی سے اختلاف کیا، اور جگہ جگہ ان پر اعتراضات کیے، بھلا خیرآبادی علما اس کو کہاں برداشت کر سکتے تھے، چنانچہ اس حاشیہ کو لے کر ایک نیا علمی معرکہ چھڑ گیا، مولانا فضل حق رامپوری کے ان اعتراضات کے جواب میں ایک رسالہ منظر عام پر آیا جس میں مصنف کی حیثیت سے مولوی عبداللہ انصاری کا نام درج

تھا، مگر بعد میں معلوم ہوا کہ یہ فرضی نام ہے اس رسالے کے اصل مصنف مولانا محمد طیب مکی (تلمیذ مولانا عبدالحق خیرآبادی) ہیں، دوسرا رسالہ "التحقیق المطلق علیٰ مسلک عبدالحق" کے نام سے منظر عام پر آیا، جس پر مصنف کی حیثیت سے مولوی عطاء اللہ (تلمیذ مولانا ہدایت اللہ رامپوری شاگرد علامہ فضل حق خیرآبادی) کا نام تھا، مگر تحقیق سے پتہ چلا کہ یہ بھی فرضی نام ہے، رسالہ کسی اور کا ہے (۱۴) ان دونوں رسالوں کے جواب میں مولانا فضل حق رامپوری نے "الظفر الحامدی علیٰ المجیب المکی والمجیب المختفی" نامی رسالہ تحریر کیا، یہ رسالہ محرم ۱۳۲۴ھ میں لکھا گیا اور اسی سال مطبع سعیدی رامپور سے طبع ہوا۔

مولانا فضل حق رامپوری کے ایرادات کو دفع کرنے کے لیے ایک اور خیرآبادی فاضل نے قلم اٹھایا، یہ تھے علامۃ الہند مولانا معین الدین اجمیری (تلمیذ مولانا سید برکات احمد ٹونکی تلمیذ مولانا عبدالحق خیرآبادی) نے "ازاحۃ شبہات الشادی عن کلام الفاضل الخیر آبادی" کے نام سے ایک رسالہ تصنیف فرمایا، اس پر مولانا محمد شریف سمیتوی (مدرس مدرسہ نعمانیہ لاہور) نے تقریظ لکھی، ۹۶ر صفحات پر مشتمل یہ رسالہ مطبع مفید عام لاہور سے ۱۳۲۵ھ میں اشاعت پذیر ہوا۔

مولانا محمد شریف صاحب نے اپنی تقریظ میں اس رسالہ کی تصنیف کا جو پس منظر تحریر کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:

''امور عامہ پر حاشیہ زاہد یہ بہت مغلق اور دقیق ہے، اس کے اسرار خواص پر پوشیدہ رہے چہ جائے کہ عام علما اور فضلا پر، کسی نے ایسی تحریر نہیں لکھی جو اس کے مغلقات کو واضح کرتی، اور نہ کسی نے ایسی تعلیق لکھی جو اس کے مشکلات کی وضاحت کرتی، اس کے جتنے بھی حواشی ہیں وہ یا تو بہت طویل ہیں یا پھر انتہائی مختصر ہیں، لہٰذا استاذ الاساتذہ علامہ عبدالحق خیرآبادی نے اس پر ایسا حاشیہ تحریر فرمایا جو اس کے رموز واسرار کو کھولنے والا ہے، چنانچہ علامہ کا یہ حاشیہ علما کے درمیان مقبول ہوا، لیکن حاسدین اس کو دیکھ کر اپنی آتش حسد میں جل گئے، اور مولوی فضل حق رامپوری نے اس پر اعتراضات کیے، جب ان اعتراضات کی خبر علامہ سید برکات احمد ٹونکی کو ہوئی تو انہوں نے متواتر کئی خطوط مولانا فضل حق رامپوری کو لکھے کہ آپ ان اعتراضات کے سلسلے میں بالمشافہ مجھ سے مباحثہ کرلیں، مولانا فضل حق رامپوری نے ان کو رامپور آنے کی دعوت دی، جب مولانا سید برکات احمد ٹونکی اپنے تلامذہ کے ساتھ رامپور پہنچے اور مولانا فضل حق کے پاس اپنی آمد کی خبر بھیجی تو مولانا نے یہ بہانہ کردیا کہ ان کا بیٹا بیمار ہے لہٰذا وہ نہیں آسکتے، جب دوبارہ ملاقات کا وقت مانگا تو انہوں نے پھر وہی عذر کردیا، تیسری بار مولانا ٹونکی نے کہلوایا کہ میں مناظرے کے لیے نہیں بلکہ آپ کے بیٹے کے معالجے کے لیے آنا چاہتا ہوں کیوں کہ میں ایک طبیب بھی ہوں، لیکن پھر بھی مولانا رامپوری ملاقات پر آمادہ نہیں ہوئے، اس درمیان ان کو کئی خطوط لکھے گئے مگر انہوں نے کسی کا جواب نہیں دیا تو مولانا ٹونکی صاحب نے سمجھ لیا کہ یہ مناظرے کو تیار نہیں ہوں گے، لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ ان اعتراضات کا تحریری جواب لکھ دیں تو آپ تیار نہیں ہوئے، لہٰذا لوگ ان کے تلمیذ رشید مولانا معین الدین اجمیری کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ سے درخواست کی، پہلے تو آپ نے اپنی تدریسی مصروفیات کا عذر کیا لیکن جب لوگوں نے بہت زیادہ اصرار کیا تو آپ نے یہ رسالہ تالیف فرمایا''۔ (۱۵)

مولانا محمد شریف صاحب کے اس بیان میں ہمیں عقیدت مندانہ مبالغہ محسوس ہورہا ہے کیوں کہ مولانا فضل حق رامپوری بہر حال ایک متبحر، معقولی، متقی اور پرہیزگار عالم تھے، ان سے اس قسم کے غیر علمی اور غیر اخلاقی رویہ کی امید نہیں کی جاسکتی۔ واللہ اعلم

ازاحۃ شبہات الشادی کے جواب میں مولانا فضل حق رامپوری کے شاگرد رشید اور معقول ومنقول کے جامع مولانا غلام محمد چشتی گھوٹوی (ولادت: ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۶ء- وفات: ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) نے ایک رسالہ "ظفر الحق والصداقۃ" تحریر فرمایا، اس کے جواب میں پھر مولانا معین الدین میدان میں آئے اور "ازاحۃ اوہام الغفول عن کلام امام المعقول" نامی رسالہ تصنیف فرمایا (۱۶) یہ رسالہ راقم سطور کی نظر سے نہیں گزرا، نہیں معلوم کہ اس کے جواب میں علمائے رامپور کی جانب سے کچھ لکھا گیا یا یہ سلسلہ یہیں ختم ہوگیا۔

مولانا معین الدین اجمیری اور مولانا فضل حق رامپوری کے درمیان ہونے والے علمی معرکے کی تفصیل آپ نے ملاحظہ کی، اب ذرا تصویر کا ایک دوسرا رخ دیکھیں، یہی مولانا فضل حق رامپوری اس معرکے کے تقریباً ۱۵ر برس کے بعد ۱۹۳۲ء/۱۹۳۳ء میں مدرسہ معینیہ اجمیر شریف میں ممتحن کی حیثیت سے جلوہ فرما ہوئے، مولانا معین

الدین اجمیری مدرسے کے صدر مدرس تھے، مولانا عبدالسلام خاں رامپوری لکھتے ہیں کہ مولانا معین الدین اجمیری نے مولانا فضل حق رامپوری کا تعارف ان الفاظ میں کروایا کہ:

آج میں ایسے فاضل کو پیش کر رہا ہوں جو اس لیے بڑا نہیں ہے کہ بڑوں کی موت نے اسے بڑا بنایا ہے بلکہ یہ وہ بڑا ہے جس کو بڑوں نے جب وہ زندہ تھے بڑا مانا تھا۔(۱۷)

محاکمات اور شرح اشارات جیسی کتابوں کا امتحان لیا، اس کے بعد کیا ہوا یہ خود ایک عینی گواہ کی زبان سے سنیے، مولانا معین الدین اجمیری کے شاگرد مولانا محمد اسرائیل پشاوری (جوان طلبہ میں شامل تھے جن کا امتحان لیا گیا تھا) فرماتے ہیں:

امتحان لینے کے بعد علامہ فضل حق صاحب بہت خوش ہوئے اور تعریفی کلمات میں حضرت استاذی (مولانا معین الدین اجمیری) مدظلہ کے کام کو سراہ رہے تھے، اتفاق سے ان کے ایک ساتھی (خادم) کا نام معین الدین تھا، انہیں نام لے کر پکارا تو حضرت علامہ (معین الدین اجمیری) آگے بڑھے، اور فرمایا ''فقیر حاضر ہے'' اس پر علامہ رامپوری بہت نادم ہوئے، اور فرمایا ''آپ تو مخدوم معین الدین ہیں'' یہ ان حضرات کے اخلاق عالیہ کا کمال تھا، ورنہ ہر دو حضرات کے مناظرے بھی ہوئے تھے اور شائع بھی ہوئے تھے، مگر چونکہ علامہ رامپوری عمر میں بڑے تھے اور عالی جناب حکیم برکات احمد کے ہم زمان تھے، اس لیے استاذی مدظلہ بھی ان کی استاذانہ قدر کرتے تھے۔(۱۸)

یہ ہے علمائے ربانیین کا طرز عمل کہ آپس میں علمی اختلافات بھی ہیں، مناظرے بھی ہو رہے ہیں، جواب اور جواب الجواب میں رسالے بھی شائع ہو رہے ہیں، اس کے باوجود بھی جب ان کی باہم کہیں ملاقات ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے کے مقام و مرتبے کا پاس و لحاظ کرنے اور ایک دوسرے کا ادب و احترام کرنے میں ہر آدمی دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے، یہ طے کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان میں سے کون کس کا زیادہ ادب و احترام کر رہا ہے۔ کہنے والے نے درست کہا ہے کہ ''بڑوں کی باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں''۔ رب قدیر ان سب کے درجات بلند فرمائے۔

مناظرۂ رامپور: یہ مناظرہ اگرچہ مولانا عبدالحق خیرآبادی سے نہیں ہوا تھا، مگر انہیں پر اعتراضات کے نتیجے میں ان کے ایک شاگرد اور شاگرد کے شاگرد سے ہوا تھا، جس کی تفصیل دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ اس مناظرے کی تفصیلات حکیم محمود احمد برکاتی نے اپنی دو کتابوں ''مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم'' (برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۳ء) اور مولانا معین الدین اجمیری: کردار و افکار (برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۳ء) میں اور مولانا عبدالسلام خاں رامپوری نے ''برصغیر میں علمائے معقولات اور ان کی تصانیف'' (خدا بخش لائبریری پٹنہ ۱۹۹۶ء) میں درج کی ہیں، ہم نے اس روداد مناظرہ کے سلسلہ میں انہی کتابوں سے استفادہ کیا ہے، اس مناظرے کی تقریب کچھ یوں ہوئی کہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے ایک شاگرد مولانا عبدالوہاب بہاری (وفات: ۱۳۳۵ھ) تھے، اپنے زمانے میں معقولات کی تدریس میں منفرد مقام رکھتے تھے، مدرسہ عالیہ کلکتہ میں استاذ رہے، حکومت برطانیہ کی جانب سے ''شمس العلما'' کا خطاب بھی ملا تھا، اور ''فخر بہار'' کے لقب سے مشہور تھے، انہوں نے رسالہ میر زاہد پر صحیفہ ملکوتیہ کے نام سے حاشیہ تصنیف فرمایا، جس میں جگہ جگہ اپنے استاذ مولانا عبدالحی فرنگی محلی کا دفاع کرتے ہوئے مولانا عبدالحق خیرآبادی پر اعتراضات کیے، فخر بہار کی خواہش تھی کہ اس کتاب کی اشاعت کے اخراجات نواب حامد علی خاں والی ریاست رامپور ادا فرمادیں، اسی مقصد سے مولانا عبدالوہاب بہاری رامپور آئے ہوئے تھے، مولوی محمد علی صاحب عرف صاحبزادہ چھٹن (تلمیذ مولانا عبدالحق خیرآبادی) جو نواب رامپور کے عزیز بھی تھے، جب انہوں نے کتاب دیکھی تو یہ گوارا نہیں کیا کہ جس کتاب میں ان کے استاذ مولانا عبدالحق خیرآبادی پر اعتراضات کیے گئے ہوں وہ ریاست رامپور کے مصارف پر اشاعت پذیر ہو، صاحبزادہ چھٹن صاحب نے یہ تجویز رکھی کہ آپ ان اعتراضات کے سلسلے میں مولانا حکیم برکات احمد ٹونکی (تلمیذ مولانا عبدالحق خیرآبادی) سے مناظرہ کرلیں، اگر آپ ان کو شکست دے دیں تو یہ تسلیم کرلیا جائے گا کہ یہ اعتراضات درست ہیں اور ریاست اس کتاب کی طباعت کے اخراجات ادا کرے گی، مولانا عبدالوہاب صاحب نے یہ تجویز منظور فرمالی، حکیم صاحب کو دعوت دی گئی، آپ نے منظور فرمائی اور رامپور کا قصد کیا، جب مناظرے کے سلسلے میں حکیم صاحب کے رامپور جانے کا شہرہ ہوا تو آپ کے بہت سے تلامذہ اجمیر، پٹنہ، دربھنگہ، الٰہ آباد، بنارس اور سہارن پور سے رامپور کے لیے روانہ ہوگئے، اور بقول حکیم محمود احمد برکاتی:

''ریاست کے سرکاری مہمان خانے میں چند دن کے لیے مناطقہ ہند کا مرکز ثقل منتقل ہو گیا۔'' (۱۹)

مولانا سید برکات احمد ٹونکی کے ساتھ ان کے شاگرد رشید علامۃ الہند مولانا معین الدین اجمیری صاحب بھی تھے، یہ خیرآبادی قافلہ ریاست رامپور میں خیمہ زن ہو گیا مگر مولانا عبدالوہاب صاحب کی جانب سے مجلس مناظرہ کے انعقاد میں تامل اور تذبذب کا مظاہرہ ہوتا رہا، جب کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا تو آخر ایک دن مولانا معین الدین اجمیری صاحب ملاقات کے لیے مولانا عبدالوہاب بہاری کے دولت کدہ پر پہنچ گئے، اِدھر اُدھر کی گفتگو ہوئی، اسی میں کہیں مولانا عبداللہ ٹونکی کا ذکر خیر بھی آ گیا، آگے کی گفتگو خود مولانا معین الدین اجمیری کی زبانی ملاحظہ کریں، فرماتے ہیں:

فخر بہار فرمانے لگے ''انہوں نے (مولانا عبداللہ ٹونکی نے) حمداللہ کے حاشیے میں کس قدر فاش غلطی کی ہے کہ قضیہ کو معقولات ثانیہ میں داخل کر دیا ہے'' یہ کہہ کر فخر بہار ان کی تحریر پر سخت تعجب کرنے لگے، فقیر حقیر نے فخر بہار کے اس تعجب پر متعجب ہو کر کہا کہ یہ فاش غلطی تو کیا غلطی بھی نہیں ہے، اگر مولوی عبداللہ صاحب نے ایسا لکھا تو بالکل بجا اور صحیح لکھا کیونکہ قضیہ کا معقولات ثانیہ سے ہونا ایک اجماعی مسئلہ ہے، زاں بعد فقیر اس امر کا منتظر تھا کہ اب فخر بہار کچھ ارشاد فرمائیں، لیکن انہوں نے ایسی چپ سادھی کہ یہ مسئلہ تو درکنار تذکرہ اہل علم ہی کو اڑا گئے۔ (۲۰)

اپنی قیام گاہ پر واپس آ کر مولانا معین الدین اجمیری نے قضیہ کے معقولات ثانیہ سے ہونے یا نہ ہونے پر مولانا عبدالوہاب بہاری صاحب کو دعوت مناظرہ دی، طرفین سے تحریروں کا تبادلہ ہوا، مولانا عبدالوہاب صاحب نے مولانا معین الدین اجمیری سے مناظرہ کرنا اپنے مقام سے فروں گمان کیا کہ وہ ان سے عمر میں چھوٹے تھے، ہاں البتہ مولانا اجمیری کے استاذ مولانا سید برکات احمد ٹونکی سے مناظرہ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ صاحبزادہ چھٹن صاحب کی کوششوں سے یہ مناظرہ ۱۵ر رمضان ۱۳۳۴ھ/ ۱۷ر جولائی ۱۹۱۶ء کو ''خاص باغ'' میں نواب حامد علی خاں والی ریاست رامپور کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں رامپور اور اطراف کے بہت سے معقولی علما نے شرکت کی، بقول حکیم محمود احمد برکاتی:

یہ مناظرہ علمائے عقلیات کے درمیان غالباً تاریخ کا آخری قابل ذکر مناظرہ تھا، اس کے بعد تو بساط ہی الٹ گئی، اب عقلیات ہی کی قدر باقی رہی نہ علمائے عقلیات کی، قدریں ہی بدل گئیں، وہ موضوعات رہے نہ مسائل، ان کے سمجھنے والے ہی اٹھ گئے، ان میں الجھنے والے دکان بڑھا گئے، وہ نظریات، وہ مسائل، وہ شخصیات سب اس دور کے لیے اجنبی ہو کر رہ گئے۔ (۲۱)

مجلس مناظرہ آراستہ ہوئی اور ریاست رامپور کے اخبار دبدۂ سکندری کے مطابق:

حکیم صاحب (مولانا سید برکات احمد) نے اپنی پرزور تقریر سے اس (قضیہ) کا معقولات ثانیہ سے ہونا ثابت کر دیا تو جناب مولانا مولوی عبدالوہاب صاحب بہاری بجز اس کے کچھ نہ فرما سکے کہ یہ تو میں نے کسی سے نہیں سنا یہ تو جدید تحقیق ہے، اس پر حاشیہ حمداللہ مصنفہ حضرت مولانا عبدالحق قدس سرہ سے جس میں عبارت افق المبین سے یہ امر ثابت ہو رہا تھا پیش کیا گیا جس کو حضور معلیٰ (نواب حامد علی خاں) دام ملکہم نے بذات خود جناب مولانا مولوی عبدالوہاب صاحب بہاری کو سمجھا دیا۔ (۲۲)

اس مجلس مناظرہ میں مولانا فضل حق رامپوری بھی تشریف فرما تھے، مولانا برکات احمد ٹونکی اور ان کے تلامذہ سے مولانا فضل حق رامپوری کے علمی معرکے کی روداد آپ پڑھ چکے، اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مولانا فضل حق رامپوری موقع سے فائدہ اٹھا کر حکیم برکات احمد صاحب کی شکست کے درپے ہو جاتے، اور اپنی گزشتہ معرکہ آرائی کا بدلہ لے لیتے، مگر آپ مولانا فضل حق کی اعلیٰ ظرفی ملاحظہ فرمائیں، مولانا کے شاگرد مولانا عبدالسلام خاں رامپوری روایت کرتے ہیں کہ مولانا فضل حق رامپوری نے فرمایا کہ:

میں نے محسوس کیا کہ عبدالوہاب الٹی پیر رہے ہیں (۲۳) اور جواب بن نہیں پڑ رہا ہے تو میں نے حکیم برکات احمد کے سوال کی تشریح کرتے ہوئے جواب کی طرف اشارہ کر دیا، پھر ایک موقع پر برکات احمد دشواری میں پڑ گئے، میں نے عبدالوہاب بہاری کی بات کی تشریح کی اور جواب کی طرف اشارہ کیا، بہر حال میں نے دونوں حضرات کی بحث کو نزاع لفظی قرار دیتے ہوئے فیصلہ کر دیا اور اس طرح نواب صاحب کے سامنے دونوں کی بات رہ گئی۔ (۲۴)

یہی وہ اعلیٰ ظرفی، کشادہ قلبی، اور وضع داری ہے جو انسان کو بڑا بناتی ہے، مناظرہ ختم ہوا تو دونوں فریق نے اپنے اپنے طور پر فتح وکامرانی کا سہرا اپنے سر باندھا، اس سے مولانا برکات احمد کے تلامذہ اور مولانا عبدالوہاب صاحب اوران کے تلامذہ کے درمیان ایک تحریری جنگ چھڑ گئی، اس سلسلہ میں خیرآبادی خیمے کی جانب سے جو رسائل اور کتابچے منظر عام پر آئے ان میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) ازالة اوهام العادی عن کلام الفاضل الخیر آبادی: مولانا عبدالعزیز بہاری (تلمیذ مولانا مقبول احمد دربھنگوی تلمیذ مولانا برکات احمد ٹونکی) مطبوعہ اخلاقی پریس بانکی پور-

(۲) مانع غلط فہمی: مولانا عبدالعزیز بہاری (تلمیذ مولانا مقبول احمد دربھنگوی تلمیذ مولانا برکات احمد ٹونکی) مطبوعہ مطبع مجیبی پھلواری شریف

(۳) عجائب الدہور: مولانا عبدالعزیز بہاری (تلمیذ مولانا مقبول احمد دربھنگوی تلمیذ مولانا برکات احمد ٹونکی) مطبوعہ اخلاقی پریس بانکی پور

(۴) چہار تازیانہ قہار: مولانا معین الدین اجمیری، مطبوعہ دلی پرنٹنگ پریس دہلی

(۵) کھلی چٹھی کا کھلا خط: مولانا معین الدین اجمیری، مطبوعہ دلی پرنٹنگ پریس دہلی

(۶) حقیقت مناظرہ رامپور: مولانا محمد شریف اعظم گڑھی، مطبوعہ اکسیر اعظم پریس بنارس

(۷) التقریر الکامل فی تنبیه الغافل: مولانا محمد شریف اعظم گڑھی، مطبوعہ اکسیر اعظم پریس بنارس

(۸) الاعلان: مولانا محمد شریف اعظم گڑھی

(۹) الرباح الخطیة علی الصحیفة الملکوتیة: مولانا محمد شریف اعظم گڑھی

(۱۰) الطامۃ الکبریٰ: مولانا مقبول احمد خاں دربھنگوی مطبوعہ مطبع مجیبی پھلواری شریف

(۱۱) مناظرہ مور وسلیماں: مولانا محی الدین غازی اجمیری، مطبوعہ دلی پرنٹنگ پریس دہلی

اسی درمیان تصفیے کی ایک صورت یہ پیدا ہوئی کہ مولانا عبدالوہاب صاحب مولانا اجمیری کے ساتھ مناظرے کے لیے آمادہ ہو گئے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ یہ مناظرہ حیدرآباد میں ہو اور شیخ الاسلام مولانا انواراللہ فاروقی حیدرآبادی صاحب اس کے حکم ہوں وہ جو فیصلہ کردیں اس کو فریقین تسلیم کریں، اس پر مولانا معین الدین اجمیری راضی ہو گئے، لکھتے ہیں:

اس دعوت کو فقیر بالرأس والعین قبول کرتا ہے، بہتر ہے حیدرآباد چلیے حضرت مولانا محمد انواراللہ صاحب دامت برکاتہم کو ہم بھی حکم تسلیم کرتے ہیں، اب آپ کو اس معاملے میں عجلت کرنا چاہیے، جس وقت روانگی کا ارادہ ہو فقیر کو بذریعہ تار مطلع فرمایے، اور بہتر ہو کہ جناب براہ اجمیر شریف حیدرآباد تشریف لے جائیں تاکہ دونوں کا ساتھ ہو جائے، سفر کی منزلیں بخدا لطف کے ساتھ طے ہوں گی، الغرض فقیر ارشاد کی تعمیل کے لیے حاضر ہے-(۲۵)

مولانا کی اس تحریر میں دو باتیں خاص طور سے قابل غور ہیں ایک تو اس سے شیخ الاسلام مولانا انواراللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام ومرتبہ ظاہر ہوتا ہے، کہ آپ صرف منقولات ہی کے امام نہیں بلکہ معقولات میں بھی اس درجہ بلند مقام کے حامل تھے کہ منطق کے ایک الجھے ہوئے مسئلے کو حل کرنے کے لیے اگر فریقین کسی کے علم اور دیانت وامانت پر اعتبار کر کے فیصل اور حکم ماننے پر آمادہ ہیں تو صرف آپ کی ذات گرامی ہے-

دوسرے اس عبارت سے مولانا معین الدین اجمیری کے خلوص اور کشادہ قلبی کا پتہ چلتا ہے کہ جس شخصیت سے آپ علمی میدان میں برسرِ پیکار ہیں اسی کو اس محبت کے ساتھ اپنا ہم سفر بنانے کی خواہش کر رہے ہیں گویا ان کے درمیان کوئی اختلاف ہی نہ ہو- یہ ہے علمی مباحثہ میں ہمارے اکابر واسلاف کا کردار-

قصہ مختصر یہ کہ حیدرآباد کے سفر کی نوبت ہی نہیں آئی اور اسی درمیان شمس العلما مولانا عبدالوہاب بہاری صاحب کا سانحہ ارتحال پیش آ گیا، ان کی اچانک وفات سے یہ معاملہ کسی فیصلہ کن موڑ پر پہنچنے سے پہلے ہی اپنے انجام کو پہنچا-□□□

مراجع

(۱) باغی ہندوستان: از عبدالشاہد خاں شیروانی، ص۱۸۴/۱۸۵، طبع پنجم ۲۰۰۱ء المجمع الاسلامی مبارک پور (۲) مرجع سابق ص۱۸۴ (۳) مرجع سابق ص۳۱۴
(۴) مرجع سابق ص۱۹۶ (۵) مرجع سابق ص۳۲۴
(۶) لواء الہدیٰ از علامہ غلام یحییٰ بہاری، ص۹۴، مطبع نجم العلوم لکھنؤ ۱۳۱۱ھ
(۷) بحوالہ مصباح الدجیٰ، ص۱۹۵، مطبع نجم العلوم لکھنؤ ۱۳۱۱ھ
(۸) مرجع سابق، ص۱۹۷

(۹) مرجع سابق، ص ۱۹۷،
(۱۰) تعلیق علی مصباح الدجی: مولانا عبدالحی فرنگی محلی، ۱۹۷،
(۱۱) مرجع سابق، ص ۱۹۷
(۱۲) تذکرہ علمائے ہند: از رحمان علی، ترجمہ ایوب قادری ص ۲۱۴ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء
(۱۳) تجلیات مہر انور: شاہ حسین گردیزی، ص ۲۱۷، مکتبہ مہریہ گولڑہ شریف پاکستان ۱۹۹۲ء
(۱۴) الظفر الحامدی: مولانا فضل حق رامپوری، ص ۳/۴ مطبع سعیدی رامپور ۱۳۲۴ھ
(۱۵) خلاصہ تقریظ ازاحۃ شبہات الشادی ص ۹۳ تا ۹۶ مطبع مفید عام لاہور ۱۳۲۵ھ
(۱۶) مولانا معین الدین اجمیری حیات ونظریات: مقالہ از: نجم الحسن خیرآبادی، مشمولہ "تلامذہ کا خراج عقیدت" مرتبہ حکیم محمود احمد برکاتی، ص ۵۳، برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۵ء
(۱۷) برصغیر کے علمائے معقولات اور ان کی تصانیف: مولانا عبدالسلام خاں رامپوری، ص ۷۷، خدا بخش لائبریری پٹنہ ۱۹۹۶ء
(۱۸) نقوش وتأثرات: مقالہ از مولانا محمد اسرائیل پشاوری، مشمولہ "تلامذہ کا خراج عقیدت" مرتبہ حکیم محمود احمد برکاتی، ص ۱۱۵/۱۱۶، برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۵ء
(۱۹) مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم: از حکیم محمود احمد برکاتی، ص ۹۱، برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۳ء
(۲۰) چہار تازیانہ قہار: از مولانا معین الدین اجمیری ص ۲، بحوالہ مولانا معین الدین اجمیری کردار وافکار: از حکیم محمود احمد برکاتی، ص ۶۵
(۲۱) مولانا معین الدین اجمیری کردار وافکار: حکیم محمود احمد برکاتی، ص ۶۴، برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۳ء
(۲۲) اخبار دبدبہ سکندری رامپور: شمارہ ۳۷، جلد ۵۳، ۲۴ر جولائی ۱۹۱۶ء، بحوالہ مولانا معین الدین اجمیری کردار وافکار: حکیم محمود احمد برکاتی، ص ۶۶/۶۷، برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۳ء
(۲۳) "السی پیرنا" ایک محاورہ ہے، یعنی کوئی کام دشواری اور وقت کے ساتھ انجام دینا۔
(۲۴) برصغیر کے علمائے معقولات اور ان کی تصانیف: مولانا عبدالسلام خاں رامپوری، ص ۶۱، خدا بخش لائبریری پٹنہ ۱۹۹۶ء
(۲۵) کھلی چٹھی کا کھلا خط: از مولانا معین الدین اجمیری، بحوالہ مولانا معین الدین اجمیری کردار وافکار: حکیم محمود احمد برکاتی، ص ۶۷/۶۸، برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۳ء

بقیہ: امریکہ نامہ

بھائی ماجد صاحب نے اپنی جانب سے ایک اور سبزی بھی کھلائی اور عمدہ چائے پلائی اور ہم سے بہت کم پیسے بھی لیے۔ جس تپاک سے ہمارے ایک پاکستانی بھائی ملے اسے ہم کبھی نہیں بھول سکتے اور معاً خیال آیا کہ کاش ہم ہندستانی اور پاکستانی اسی طرح اپنے ملکوں میں بھی ملتے۔

نیویارک کی پہلی صبح ہمارے لیے اور بھی سردی لے کر آئی۔ لیکن ہم لوگ سیر کو نکل پڑے۔ ہر جگہ شہر کا میپ دستیاب تھا اور ٹرانسپورٹ کی رہنمائی بھی۔ اس لیے ہم ڈاکٹر رضوان جو تجربہ کار سیاح ہیں کی رہنمائی میں نکل پڑے۔ میٹرو کے ذریعے پہلے گراؤنڈ زیرو میموریل دیکھنے گئے۔ جو عمارت تباہ ہوئی تھی اس جگہ تعمیر کا کام تیزی سے جاری تھا اور نیا ٹریڈ سینٹر اسی کے بالمقابل نئی آب وتاب کے ساتھ پرانی عمارت سے بھی زیادہ اونچی اور مضبوط کب کی بن چکی ہے۔ یہ عمارت اسٹیل اور شیشے سے بنی ہوئی ہے۔ باقی کئی عمارتیں زیر تعمیر ہیں۔ اسے دیکھنے کے بعد ہم نے نیویارک کے کئی علاقوں کو دیکھا اور خاص طور پر اسٹیچو آف لبرٹی کو۔ یہاں پہنچ کر اندازہ ہوا کہ کس طرح سیاحوں کو اٹریکٹ کیا جاتا ہے۔ فیری (پانی کا جہاز) ہر آدھے گھنٹے پر مفت میں سیاحوں کو اس جزیرے کی سیر کراتی ہے جہاں اسٹیچو آف لبرٹی ہے۔ انتہائی عمدہ انتظام دیکھ کر طبیعت خوش ہوئی۔ اس کے بعد ہم لوگوں نے اپنے عزیزوں کے لیے یہیں سے تحائف بھی خریدے۔ مجموعی طور پر نیویارک مشترکہ تہذیب وثقافت کا ایک خوب صورت شہر ہے اور اس کا امتیاز بھی یہی ہے کہ دنیا کے بیشتر ممالک کے لوگ اس شہر میں موجود ہیں۔ لیکن کم وقت میں تمام مقامات کو دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ ۱۲ر اپریل کی صبح دہلی کے لیے ہماری واپسی تھی۔ دو دنوں میں اس شہر کو نہیں دیکھا جا سکتا۔ لیکن اہم مقامات کو دیکھ کر 13 اپریل کو ہم لوگ دہلی کے لیے روانہ ہوئے۔ اس دفعہ امریکی وقت کے حساب سے ہمارا جہاز شام کے پانچ بجے نیویارک سے روانہ ہوا۔ کچھ ہی دیر میں رات ہو گئی۔ لیکن یہ رات صرف چار پانچ گھنٹے کی تھی۔ اس کے بعد تمام راستے دن ہی دن تھا۔ مگر سورج کی روشنی اتنی تیز تھی کہ ہم باہر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہم خیر وخوبی سے 14 اپریل کی شام دہلی واپس آ گئے اور اب امریکہ کو نئے سرے سے دیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ □□□